

تفہیم القرآن

[یہ سلسلہ ایک مدت کے بعد اب دوبارہ ان صفحات میں شروع کیا جا رہا ہے۔ اس موقع پر ایک مرتبہ پھر ناظرین کو اس بات سے آگاہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفہیم القرآن کو کتابی صورت میں شائع کرنے سے پہلے ان صفحات میں محض مسودے کی حیثیت سے درج کیا جاتا ہے تاکہ اہل علم اور عام ناظرین مجھے میری غلطیوں پر مطلع فرمائیں اور اس تفسیر کو زیادہ بہتر بنانے میں مجھے مدد دیں۔ اسی لئے اس مسودے کے ساتھ قرآن مجید کا اصل متن درج نہیں کیا جا رہا ہے]

الرعد

نام | آیت مسئلہ کے فقرے وسیعاً الرعد بجملة والملائكة من خيفة کے لفظ الرعد کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔ یہ عنوان نہیں ہے کہ اس سورہ میں بادل کی گرج کے مسئلہ سے بحث کی گئی ہو، بلکہ یہ محض نام ہے جو علامت کے طور پر رکھا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سورہ جس میں لفظ الرعد آیا ہے، یا جس میں رعد کا ذکر آیا ہے۔

زمانہ نزول | رکوع ۴ اور رکوع ۶ کے مضامین شہادت دیتے ہیں کہ یہ سورہ بھی اسی دور کی ہے جس میں سورہ یونس، ہود، اور اعراف نازل ہوئی ہیں، یعنی زمانہ قیام مکہ کا آخری دور۔ انداز بیان سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ایک مدت دراز گزر چکی ہے، مخالفین آپ کو زک دینے اور آپ کے مشن کو ناکام کرنے کے لئے طرح طرح کی چابیں چلتے رہے ہیں، ہتھیار بار بار تمنا لیں کر رہے ہیں کہ کاش کوئی معجزہ دکھا کر ہی ان لوگوں کو راہ راست پر لایا جائے، اور اللہ تعالیٰ مسئلہ انہوں کو سمجھا رہا ہے کہ ایمان کی راہ دکھانے کا یہ طریقہ ہمارے ہاں رائج نہیں ہے اور اگر دشمنان حق کی رستی دراز کی جا رہی ہے تو یہ ایسی بات نہیں ہے جس سے تم گھبراؤ۔ پھر آیت ۳۱ سے یہ بھی معلوم

ہوتا ہے کہ بار بار کفار کی ہسٹ دھری کا ایسا مظاہرہ ہو چکا ہے جس کے بعد یہ کہنا بالکل بجا معلوم ہوتا ہے کہ اگر قبروں سے مُردے بھی اٹھ کر آجائیں تو یہ لوگ نہ مانیں گے بلکہ اس واقعہ کی بھی کوئی نہ کوئی تاویل کر ڈالیں گے۔ ان سب باتوں سے یہی گمان ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مکہ کے آخری دو میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون | سورۃ کا مدعا پہلی ہی آیت میں پیش کر دیا گیا ہے، یعنی یہ کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں وہی حق ہے، مگر یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ اسے نہیں مانتے۔ ساری تقریر اسی مرکزی مضمون کے گرد گھومتی ہے۔ اس سلسلے میں بار بار مختلف طریقوں سے توجید، معاد اور رسالت کی حقانیت ثابت کی گئی ہے، ان پر ایمان لانے کے اخلاقی و روحانی فوائد سمجھائے گئے ہیں، ان کو نہ ماننے کے نقصانات بتائے گئے ہیں، اور یہ ذہنی نشین کیا گیا ہے کہ کفر سراسر ایک حماقت اور جہالت ہے۔ پھر چونکہ اس سارے بیان کا مقصد محض دماغوں کو مطمئن کرنا ہی نہیں ہے، دلوں کو ایمان کی طرف کھینچنا بھی ہے، اس لئے مزید منطقی استدلال سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ ایک ایک دلیل اور ایک ایک شہادت کو پیش کرنے کے بعد بغیر کوئی طرح سے تخریفات، ترہیب، ترغیب، اور مشفقانہ تلقین کی گئی ہے تاکہ نادان لوگ اپنی گمراہانہ ہسٹ دھری سے باز آجائیں۔

دورانِ تفسیر میں جگہ جگہ مخالفین کے اعتراضات کا ذکر کئے بغیر ان کے جوابات دیئے گئے ہیں، اور ان شبہات کو رفع کیا گیا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں پائے جاتے تھے یا مخالفین کی طرف سے ڈالے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ اہل ایمان کو بھی، جو کئی برس کی طویل اور سخت جدوجہد کی وجہ سے تھکے جا رہے تھے اور بے چینی کے ساتھ غیبی امداد کے منتظر تھے، تسلی دی گئی ہے۔



اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے

۱۔ م۔ ر۔ یہ کتاب الہی کی آیات ہیں، اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے

وہ عین حق ہے، مگر تمہاری قوم کے اکثر لوگ مان نہیں رہے ہیں۔

وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں، پھر وہ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ منسما ہوا اور اس نے آفتاب و ماہتاب کو ایک قانون کا

۱۵ یہ اس سورہ کی تہید ہے جس میں مقصود کلام کو چند غفلتوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔ روئے سخن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور آپ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! تمہاری قوم کے اکثر لوگ اس تعلیم کو قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ اسے ہم نے تم پر نازل کیا ہے اور یہی حق ہے خواہ لوگ اسے مانیں یا نہ مانیں اس مختصر سی تہید کے بعد اصل تقریر شروع ہو جاتی ہے جس میں منکرین کو یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ تعلیم کیوں حق ہے اور اس کے بارے میں انکار کر دیکر کس قدر غلط ہے اس تقریر کو سمجھنے کے لئے ابتدا ہی سے یہ پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہم جنہر کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے تھے وہ تین بنیادی باتوں پر مشتمل تھی: ایک یہ کہ خدائی پوری کی پوری اللہ کی ہے اس لیے اس کے سوا کوئی بندگی و عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جس میں تم کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی تیسرے یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور جو کچھ پیش کر رہا ہوں اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے پیش کر رہا ہوں یہ تین باتیں ہیں جنہیں ماننے سے لوگ انکار کر رہے تھے، انہی کو اس تقریر میں بار بار طریقے طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی گئی تھی اور انہی کے متعلق لوگوں کے شبہات و اعتراضات کو رفع کیا گیا ہے۔

۱۶ یہ الفاظ دیگر آسمانوں کو غیر محسوس اور غیر مرئی سہاروں پر قائم کیا۔ بظاہر کوئی چیز فضا سے بسیط میں ایسی نہیں رہے جو ان کے برابر حساب و جہاں فلکی کو متعلق ہوئے ہو۔ مگر ایک غیر محسوس طاقت ایسی ہے جو ہر ایک کو اس کے مقام و مدار پر روکے ہوئے ہے اور ان عظیم اشکال اجسام کو زمین پر یا ایک دوسرے پر گرے جانے نہیں دیتی۔

۱۷ اس کی تشریح سورہ اعراف رکوع ۲ کے حاشی میں گزر چکی ہے مختصر یہاں اتنا اشارہ کافی ہے کہ عرش (یعنی سلطنت کائنات کے مرکز) پر اللہ تعالیٰ کی جلوہ فرمائی کو جگہ جگہ قرآن میں جس غرض کے لئے بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو صرف پیدا ہی نہیں کر دیا ہے بلکہ وہ آپ ہی اس سلطنت پر فرمانروائی کر رہا ہے۔ یہ جہاں ہست و بود کوئی خود بخود چلنے والا کارخانہ نہیں ہے، جیسا کہ بہت سے جاہل خیال کرتے ہیں اور نہ مختلف خداؤں کی آماجگاہ ہے، جیسا کہ بہت سے جاہل سمجھتے ہیں، بلکہ یہ ایک ناقصہ نظام ہے جسے اسکا پیدا کرنے والا خود چلا رہا ہے۔

۱۵ پاس بند بنایا۔ اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقت مقرر تک کے لئے چل رہی ہے، اور اللہ ہی اس سارے کام کی تدبیر

۱۵ یہاں یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ مخاطب وہ قوم ہے جو اللہ کی ہستی کی منکر نہ تھی، نہ اس کے خالق ہونے کی منکر نہ تھی اور نہ یہ گمان رکھتی تھی کہ یہ سارے کام جو یہاں بیان کئے جا رہے ہیں، اللہ کے سوا کسی اور کے ہیں۔ اس لئے بجائے خود اس بات پر دلیل لانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی کہ واقعی اللہ ہی نے آسمانوں کو قائم کیا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو ایک ضابطے کا پاس بند بنایا ہے۔ بلکہ ان واقعات کی جن میں مخاطب بھی مانستے تھے، ایک دوسری بات پر دلیل قرار دیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا اس نظام کائنات میں صاحبِ قدرت نہیں ہے جو موجود قرار دیئے جانے کا مستحق ہو۔ رہا یہ سوال کہ جو شخص سرے سے اللہ کی ہستی کا اور اس کے خالق وہ تیرہ ہونے ہی کا قائل نہ ہو اس کے مقابلے میں یہ استدلال کیسے مزید ہو سکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے مقابلے میں توحید کے لئے جو دلائل دیتا ہے وہی دلائل ملاحہ کے مقابلے میں وجود باری کے اثبات کے لئے بھی کافی ہیں۔ توحید کا سارا استدلال اس بنیاد پر قائم ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک ساری کائنات ایک نکل نظام ہے اور یہ پورے نظام ایک زبردست قانون کے تحت چل رہا ہے جس میں ہر طرف ایک ہم گیر اقتدار، ایک بے عیب حکمت، اور بے خطا علم کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہ آثار جہاں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نظام کے بہت سے فرمانروا نہیں ہیں، وہیں اس بات پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ اس نظام کا ایک فرمانروا ہے۔ نظم کا تصور ایک ناظم کے بغیر، قانون کا تصور ایک حکمران کے بغیر، حکمت کا تصور ایک حکیم کے بغیر، نظم کا تصور ایک عالم کے بغیر، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خلق کا تصور ایک خالق کے بغیر صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ہنٹ دھرم ہو، یا پھر وہ جس کی عقل ماری گئی ہو۔

۱۶ یعنی یہ نظام صرف اسی امر کی شہادت نہیں دے رہا کہ ایک ہم گیر اقتدار اس پر فرمانروا ہے اور ایک زبردست حکمت اس میں کام کر رہی ہے بلکہ اس کے تمام اجزاء اور اُن میں کام کرنے والی ساری قوتیں اس بات پر بھی گواہ ہیں کہ اس نظام کی کوئی چیز خیر فانی نہیں ہے، ہر ایک کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس کے اختتام تک وہ چیز چلتی ہے اور جب اس کا وقت آن پورا ہوتا ہے تو وہ مٹ جاتی ہے۔ یہ حقیقت جس طرح اس نظام کے ایک ایک جز کے معاملے میں صحیح ہے اسی طرح اس پورے نظام کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ اس عالم طبیعی کی مجموعی ساخت یہ بتا رہی ہے کہ یہ ابدی و سرمدی نہیں ہے، اس کے لئے بھی کوئی وقت ضرور مقرر ہے جب ختم ہو جائے گا اور اس کی جگہ کوئی دوسرا عالم برپا ہوگا۔ لہذا قیامت، جس کے آنے کی خبر دی گئی ہے، اس کا آنا مستبعد نہیں بلکہ نہ آنا مستبعد ہے۔

فرما رہا ہے۔ وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے شاید کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔

۱۵ یعنی اس امر کی نشانیاں کہ رسول خدا جن حقیقتوں کی خبر دے رہے ہیں وہ فی الواقع سچی حقیقتیں ہیں۔ کائنات میں ہر طرف اُن پر گواہی دینے والے آثار موجود ہیں۔ اگر لوگ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انھیں نظر آجائے کہ اس کتاب میں جن جن باتوں پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے بے شمار نشانات ان کی تصدیق کر رہے ہیں۔

۱۶ اوپر جن آثار کائنات کو گواہی میں پیش کیا گیا ہے اُن کی یہ شہادت تو بالکل ظاہر و باہر ہے کہ اس عالم کا خالق و مدبر ایک ہی ہے، لیکن یہ بات کہ موت کے بعد دوسری زندگی اور عدالت الہی میں انسان کی حاضری اور جزا و سزا کے متعلق رسول اللہ نے جو خبریں دی ہیں ان کے برحق ہونے پر بھی یہی آثار شہادت دیتے ہیں، ذرا غنٹی ہے اور زیادہ غور کرنے سے سمجھ میں آتی ہے۔ اس لئے پہلی حقیقتِ مقبہ کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی، کیونکہ سننے والا محض دلائل کو سن کر ہی سمجھ سکتا ہے کہ ان سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ البتہ دوسری حقیقت پر خصوصیت کے ساتھ متنبہ کیا گیا ہے کہ اپنے رب کی ملاقات کا یقین بھی تم کو انہی نشانیوں پر غور کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا نشانیوں سے آخرت کا ثبوت دو طرح سے ملتا ہے۔ ایک یہ کہ جب ہم آسمانوں کی ساخت اور شمس و قمر کی تسخیر پر غور کرتے ہیں تو ہمارا دل یہ شہادت دیتا ہے کہ جس خدا نے یہ عظیم الشان اجرام فلکی پیدا کئے ہیں، اور جس کی قدرت اتنے بڑے بڑے کمروں کو فضا میں گردش دے رہی ہے، اس کے لئے نوعِ انسانی کو موت کے بعد دوبارہ پیدا کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اسی نظامِ فلکی سے ہم کو یہ شہادت بھی ملتی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا کمال درجے کا حکیم ہے اور اس کی حکمت سے یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ انسان کو ایک ذی عقل و شعور اور صاحب اختیار و ارادہ مخلوق بنانے کے بعد، اور اپنی زمین کی بے شمار چیزوں پر تصرف کی قدرت عطا کرنے کے بعد اس کے کارنامہ زندگی کا حساب نہ لے، اس کے ظالموں سے باز پرس اور اس کے مظلوموں کی داد نہ کرے، اس کے نیکو کاروں کو جزا اور اس کے بیکاروں کو سزا نہ دے، اور اس سے کبھی یہ پوچھ ہی نہیں کہ جو بیش قیمت امانتیں میں نے تیرے سپرد کی تھیں ان کے ساتھ تو نے کیا معاملہ کیا۔ ایک اندھا راجہ تو بے شک اپنی سلطنت کے معاملات اپنے کارپردازوں کے حوالے کر کے خوابِ غفلت میں مبتلا ہو سکتا ہے، لیکن ایک حکیم و داناسے اس غلط بخشی و تفاؤل کشی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس طرح آسمانوں کا مشاہدہ ہم کو نہ صرف آخرت کے امکان کا قائل کر رہا ہے، بلکہ اس کے وقوع کا یقین بھی دلاتا ہے۔

اور وہی ہے جس نے یہ زمین پھیلا رکھی ہے، اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ رکھے ہیں اور دریا بہا دیے ہیں۔ اسی نے ہر طرح کے بھولوں کے جوڑے پیدا کئے ہیں، اور وہی دن پر رات طاری کرتا ہے۔ ان ساری چیزوں میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

۱۵۔ ابراہیم فلکی کے بعد علم (یعنی) کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، اور یہاں بھی خدا کی قدرت اور حکمت کے نشانات سے اٹھی دونوں حقیقتوں (توحید اور آخرت) پر استنبہا کیا گیا ہے۔ بن پر بھی آیات میں عالم سماوی کے آثار سے استنبہا کیا گیا تھا۔ ان دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جہزم فلکی کے ساتھ زمین کا تعلق، زمین کے ساتھ سورج اور چاند کا تعلق، زمین کی بیشتر مخلوقات کی ضرورتوں سے پہاڑوں اور دریاؤں کا تعلق، یہ ساری چیزیں اس بات پر کھلی شہادت دیتی ہیں کہ ان کو نہ تو الگ الگ خداؤں نے بنایا ہے اور نہ مختلف باختیار خدا ان کا انتظام کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان سب چیزوں میں باہم اتنی نسبتیں اور ہم آہنگیاں اور موافقتیں نہ پیدا ہو سکتی تھیں اور نہ قائم رہ سکتی تھیں۔ الگ الگ خداؤں کے لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مل کر پوری کائنات کے لئے مخلوق و تدبیر کا ایسا منصوبہ بناتے جس کی ہر چیز زمین سے لے کر سمائوں تک ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ رکھائی جاتی اور کبھی ان کی مسطحتوں کے درمیان تصادم واقع نہ ہوتا۔

(۲) زمین کے اس عظیم الشان گیسے کا فضائے بسیط میں معلق ہونا، اس کی سطح پر اتنے بڑے بڑے پہاڑوں کا ابھرنا، اس کے سینے پر ایسے ایسے زبرد دریاؤں کا جاری ہونا، اس کی گود میں طرح طرح کے بے عدد حساب رتوں کا چلنا، اور اس پر ہم انتہائی باقاعدگی کے ساتھ رات اور دن کے حیرت انگیز آثار کا طاری ہونا، یہ سب چیزیں اس خدا کی قدرت پر گواہ ہیں جس نے انھیں پیدا کیا ہے۔ ایسے قادر مطلق کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے، عطا نہیں کر سکتا، عقل و دانش کی نہیں، حماقت و بے ادبیت کی دلیل ہے۔

(۳) زمین کی سطح پر آتش کی پیدائش، پہاڑوں سے دریاؤں کی روانی کا اختتام کرنے میں، بھولوں کی ہر قسم میں دو طرح کے چل پیدا کرنے میں، اور رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات باقاعدگی کے ساتھ لانے میں جو پیشہ و حکمتیں پائی جاتی ہیں وہ پکار پکار کر شہادت دے رہی ہیں کہ جس خدا نے مخلوق کا نقشہ بنایا ہے وہ کہ ال درجے کا حکیم ہے۔ یہ ساری چیزیں خبر دیتی ہیں کہ یہ نہ تو کسی بے ارادہ طاقت کی کار فرمائی ہے اور نہ کسی کھنڈ ٹرے کا کھنڈنا۔ ان میں سے ہر چیز کے اندر ایک حکیم کی حکمت اور انتہائی بالغ حکمت کام کرتی نظر آتی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد صرف ایک نادان ہی ہو سکتا ہے جو یہ گمان کرے کہ زمین پر انسان کو پیدا کر کے اور اسے ایسی ہنگامہ آرائیوں کے مواقع دے کر وہ اس کو یونہی خاک میں گم کر دے گا۔

اور دیکھو، زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل بھی ہیں اور پھر الگ الگ بھی۔ انگوڑے کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دوسرے سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزے میں ہم نے کسی کو بہتر بنا دیا ہے اور کسی کو کمتر۔ ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

۱۰ یعنی ساری زمین کو اس نے یکساں بنا کر نہیں رکھ دیا ہے بلکہ اس میں بیشمار خطے پیدا کر دیے ہیں جو متصل ہونے کے باوجود شکل میں، رنگ میں، مادہ ترکیب میں، خاصیتوں میں، قوتوں اور صلاحیتوں میں، پیداوار اور کمیاد کی یا معدنی خزانوں میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں ان مختلف خضوں کی پیدائش اور ان کے اندر طرح طرح کے اختلافات کی موجودگی اپنے اندر اتنی حکمتیں اور مصلحتیں رکھتی ہے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ دوسری مخلوقات سے قطع نظر صرف ایک انسان ہی کے مفاد کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انسان کی مختلف اعراض و مصالح اور زمین کے ان خضوں کی گونا گونی کے درمیان جو مناسبتیں اور مطابقتیں پائی جاتی ہیں اور ان کی بدولت انسانی تمدن کو پہلنے پھولنے کے جو مواقع ہم پہنچے ہیں وہ یقیناً کسی حکیم کی فکر اور اس کے سوچے سمجھے منصوبے اور اس کے دانشمندانہ ارادے کا نتیجہ ہیں اسے محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے کے لئے بڑی ہٹا دھرمی درکار ہے۔

۱۱ کھجور کے درختوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی جڑ سے ایک ہی تنہا نکلتا ہے اور بعض میں ایک جڑ سے دو یا زیادہ تنے نکلتے ہیں۔ ۱۲ اس آیت میں اللہ کی توحید اور اس کی قدرت و حکمت کے نشانات دکھانے کے علاوہ ایک اور حقیقت کی طرف بھی لطیف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نے اس کائنات میں کہیں بھی یکساںی نہیں دیکھی ہے ایک ہی زمین ہے، مگر اس کے قلعے اپنے اپنے رنگوں، شکلوں اور خاصیتوں میں جدا ہیں ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی ہے مگر اس سے طرح طرح کے غلے اور پھل پیدا ہو رہے ہیں ایک ہی درخت ہے اور اس کا ہر پھل دوسرے پھل سے نوعیت میں متحد ہونے کے باوجود شکل اور حیامت اور مزے میں مختلف ہے ایک ہی جڑ ہے اور اس سے دو انگ تنے نکلتے ہیں جن کے پھل ایک دوسرے سے مختلف ہیں ان چیزوں پر جو شخص غور کرے گا وہ اس بات پر کبھی پریشان نہ ہوگا کہ انسانی طبائع اور سیلانات اور فرجوں میں اتنا اختلاف کیوں ہے جیسا کہ آگے چل کر اسی سورۃ میں فرمایا گیا ہے، اگر اللہ چاہتا تو سب انسانوں کو یکساں بنا سکتا تھا، مگر جس حکمت پر اللہ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے وہ یکساںی کی نہیں بلکہ تنوع اور رنگارنگی کی متقاضی ہے سب کو یکساں بنا دینے کے بعد تو یہ سارا ہنگامہ وجود ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا۔

اب اگر تمہیں تعجب کرنا ہے تو تعجب کے قابل لوگوں کا یہ قول ہے کہ جب ہم مکر میٹھی ہو جائیں گے تو کیا ہم نے سرے سے پیدا کیے جائیں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں، یہ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ لوگ بھلائی سے پہلے برائی کے لئے جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے (جو لوگ اس روش پر چلے ہیں ان پر خدا کے عذاب کی) عبرت ناک مثالیں گزر چکی ہیں حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب لوگوں کی زیادتیوں کے باوجود ان کے ساتھ چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تیرا رب سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ لوگ جنہوں نے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیا ہے کہتے ہیں کہ ”اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے“

یعنی ان کا آخرت سے انکار دراصل خدا سے اور اس کی قدرت اور حکمت سے انکار ہے۔ یہ صرف اتنا ہی نہیں کہتے ہیں کہ ہمارے ٹکڑے جانے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا غیر ممکن ہے، بلکہ ان کے اسی قول میں یہ خیال بھی پوشیدہ ہے کہ معاذ اللہ وہ خدا عاجز و درماندہ اور نادان و بے خرد ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

۱۷ گردن میں طوق پڑا ہونا قیدی ہونے کی علامت ہے۔ ان لوگوں کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جہالت کے، اپنی ہرٹ دھرمی کے، اپنی خواہشات نفس کے، اور اپنے آبا و اجداد کی اندھی تقلید کے اسیر بنے ہوئے ہیں۔ یہ آزادانہ خرد و فکر نہیں کر سکتے۔

۱۸ کفار کہہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ اگر تم واقعی نبی ہو اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم نے تم کو جھٹلادیا ہے تو اب آخر ہم پر وہ عذاب آئیوں نہیں جاتا جس کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو؟ اُس کے آنے میں خواہ مخواہ دیر کیوں لگ رہی ہے؟ کبھی وہ جیلنج کے انداز میں کہتے کہ رَبَّنَا عَجَلْ لَنَا قِطْلًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (خدا یا ہمارا حساب تو ابھی کر دے، قیامت پر نہ اٹھا رکھ) اور کبھی کہتے کہ اللَّهُمَّ إِنَّكَ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ أَوْ آتِنَا بَعْدَ آبِ الْيَمِينِ (خدا یا اگر یہ باتیں جو محمد پیش کر رہے ہیں حق ہیں اور نیری ہی طرف سے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا کوئی اور دردناک عذاب نازل کر دے) اس آیت میں کفار کی انہی باتوں کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ نادان خیر سے پہلے شر مانگتے ہیں، اللہ کی طرف سے ان کو سنبھلنے کے لئے جو مہلت دی جا رہی ہے اس سے غافل اٹھانے کے بجائے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مہلت کو جلدی ختم کر دیا جائے اور ان کی باغیانہ روش پر فوراً گرفت کر ڈالی جائے۔

کوئی نشانی کیوں نہ تھی؟ — تم تو محض خبردار کرنے والے ہو، اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے۔

اللہ ایک ایک حاملہ کے پیٹ سے واقف ہے۔ جو کچھ اُس میں بنتا ہے اُسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اس میں کمی یا بیشی ہوتی ہے اس سے بھی وہ باخبر رہتا ہے۔ ہر چیز کے لئے اس کے ہاں ایک مقدار مقرر ہے۔ وہ غیب اور شہادت، ہر چیز کا عالم ہے۔ وہ بزرگ ہے اور ہمیشہ ہر چیز پر بالاتر رہنے والا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص خواہ

۵۱ نشانی سے ان کی مراد ان کو نشانی تھی جسے دیکھ کر ان کو یقین ہو جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ وہ آپ کی بات کو اُس کی حقانیت کے دلائل سے سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ آپ کی سیرت پاک سے سبق لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ اُس زبردست اخلاقی انقلاب سے بھی کوئی نتیجہ اخذ کرنے کے لئے تیار نہ تھے جو آپ کی تعلیم کے اثر سے آپ کے صحابہ کی زندگیوں میں رونما ہوا تھا۔ وہ اُن معقول دلائل پر بھی غور کرنے کے لئے تیار نہ تھے جو ان کے مشرکانہ ذہن اور ان کے اوہام جاہلیت کی غلطیاں دافع کرنے کے لئے قرآن میں پیش کیے گئے تھے۔ ان سب چیزوں کو چھوڑ کر وہ چاہتے تھے کہ انہیں کوئی کرشمہ دکھایا جائے جس کے معیار پر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جانچ سکیں۔

۵۲ یہ ان کے مطالبے کا مختصر سا جواب ہے جو براہ راست ان کو دینے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے دیا ہے اس مطلب پر ہے کہ اسے نبی تم اس فکر میں نہ پڑو کہ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے آخر کو کیا کرشمہ دکھایا جائے۔ تمہارا کام ہر ایک کو مطمئن کر دینا نہیں ہے۔ تمہارا کام تو صرف یہ ہے کہ خواہ غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو چونکاؤ اور ان کو خطاری کے بُرے انجام سے خبردار کر دو۔ یہ خدمت ہم نے ہر زمانے میں ہر قوم میں ایک نہ ایک ہادی کو مقرر کر کے لی ہے، اب تم سے بھی یہی خدمت لے رہے ہیں اس کے بعد جس کا بھی چاہے آنکھیں کھولے اور جس کا بھی چاہے غفلت میں پڑا رہے۔ یہ مختصر جواب دے کر اللہ تعالیٰ ان کے مطالبے کی طرف سے رخ پھرتا ہے اور ان کو متنبہ کرتا ہے کہ تم کسی اندھیر نگری میں نہیں رہتے ہو جہاں کسی جوہٹ بوجہ کا راج ہو تمہارا واسطہ ایک ایسے خدا سے ہے جو تم میں سے ایک ایک شخص کو اس وقت سے جانتا ہے جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بن رہے تھے، اور زندگی بھر تمہاری ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ اس کے ہاں تمہاری قسموں کا فیصلہ بیشمار عدل کے ساتھ تمہارے اوصاف کے لحاظ سے ہوتا ہے اور زمین و آسمان میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکے۔

۵۳ اس سے مراد یہ ہے کہ ماؤں کے رحم میں بچے کے اعضاء اس کی قوتوں اور قابلیتوں، اور اس کی صلاحیتوں اور استعدادوں میں جو کچھ کمی یا زیادتی ہوتی ہے اللہ کی براہ راست نگرانی میں ہوتی ہے۔

۵۴ غیب = وہ سب کچھ جو انسانوں کے حواس سے پوشیدہ ہے۔

شہادت = وہ سب کچھ جو انسانوں کو معلوم ہے اور جسے انسان اپنے حواس سے محسوس کر رہے ہیں۔

زور سے بات کرے یا آہستہ، اور کوئی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو، اس کے لئے سب یکساں ہیں۔ ہر شخص کے آگے اور پیچھے اس کے مقرر کیے ہوئے نگران لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی! اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کر لے تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی، نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی و مددگار ہو سکتا ہے۔

وہی ہے جو تمہارے سامنے بجلیاں چمکاتا ہے جنہیں دیکھ کر نہیں اندیشے بھی لاحق ہوتے ہیں اور امیدیں بھی بندھتی ہیں۔ وہی ہے جو پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھاتا ہے۔ بادلوں کی گرج اُس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے اس کی ہیبت سے لرزتے ہوئے اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ وہ کڑکتی ہوئی بجلیوں کو بھیجتا ہے اور (بالاقا)

۱۷ یعنی بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو ہر حال میں بلا واسطہ خود دیکھ رہا ہے اور اس کی تمام حرکات و سکنات سے واقف ہے، بلکہ مزید بڑا اللہ کے مقرر کئے ہوئے نگران کا یہی ہر شخص کے ساتھ لگے ہوئے ہے اور اس کے پورے کارنامہ زندگی کا ریکارڈ محفوظ کرتے جانے ہیں۔ اس حقیقت کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ایسے خدا کی خدائی میں جو لوگ یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں کہ انہیں مغتر بے مہار کی طرح زمین پر چھوڑ دیا گیا ہے اور کوئی نہیں جس کے سامنے وہ اپنے نامہ اعمال کے لئے جواب دہ ہوں، وہ دراصل اپنی شامت آپ بٹاتے ہیں۔

۱۸ یعنی اس غلط فہمی میں بھی نہ رہو کہ اللہ کے ہاں کوئی جبر یا فقر یا کوئی انکلاچ یا بزرگ یا کوئی جن یا فرشتہ ایسا زور آور ہے کہ تم خواہ کچھ ہی کرتے رہو وہ تمہاری نذروں اور نیازیوں کی رشوت لے کر تمہیں تمہارے برے اعمال کی پاداش سے بچالے گا۔

۱۹ یعنی بادلوں کی گرج یہ ظاہر کرتی ہے کہ جس خدا نے یہ ہوائیں چلائیں، یہ بجلیاں اٹھائیں، یہ شیف بادل جمع کیے، اس کی کیا بارش کا ذریعہ بنایا اور اس طرح زمین کی مخلوقات کے لئے پانی کی بہم رسانی کا انتظام کیا، وہ بتور و قدوس ہے، اپنی حکمت اور قدرت میں کامل ہے، اپنی صفات میں بے عیب، اور اپنی خدائی میں شریک نہ جانوروں کی طرح سننے والے تو ان بادلوں میں صرف گرج کی آواز ہی سنتے ہیں۔ مگر جو ہوش کے کان رکھتے ہیں وہ بادلوں کی زواریں کو قہر کا براہ بناتے ہیں۔

۲۰ فرشتوں کے جہان خداوندی سے لرزنے اور تسبیح کرنے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ یہاں اس لئے کیا کہ مشرکین ہر زمانے میں فرشتوں کو دیوتا اور معبود قرار دیتے رہے ہیں اور ان کا یہ گمان رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خدائی میں شریک ہیں اس غلط خیال کی تردید کے لئے فرمایا گیا کہ وہ اقتدار اعلیٰ میں خدا کے شریک نہیں ہیں بلکہ فرمانبردار خادم ہیں اور اپنے آقا کے جلال سے کانپتے ہوئے اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔

انہیں جس پر چاہتا ہے عین اُس حالت میں گرا دیتا ہے جبکہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ فی الواقع اُس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

اسی کو پکارنا برحق ہے۔ ^{۱۵} رہیں وہ دوسری ہستیاں جنہیں اس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ ان کی دعاؤں، ناکوئی جواب نہیں دے سکتیں۔ انہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس سے درخواست کرے کہ تو میرے مزہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اُس تک پہنچنے والا نہیں ہیں اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں مگر ایک تیرے ہدف! وہ تو اللہ ہی ہے جس کو زمین و آسمان کی ہر چیز طوعاً و کرہاً سجدہ کر رہی ہے ^{۱۶} اور سب چیزوں کے سامنے صبح و شام اس کے آگے جھکتے ہیں۔ ^{۱۷} ان سے پوچھو، آسمان و زمین کا رب کون ہے؟ کہو، اللہ۔ پھر ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو کیا

^{۱۵} پکارنے سے مراد اپنی حاجتوں میں مدد کے لئے پکارنا ہے۔ غلبہ یہ ہے کہ حاجت روائی کو مشکل کشائی کے سارے اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں، اس لئے صرف اُسی سے دعائیں مانگنا برحق ہے۔

^{۱۶} سجدے سے مراد اطاعت میں جھکنا، سکم بجالانا اور سر تسلیم خم کرنا ہے۔ زمین و آسمان کی ہر مخلوق اس معنی میں اللہ کو سجدہ کر رہی ہے کہ وہ اس کے قانون کی مطیع ہے اور اس کی مشیت سے ہال برابر بھی سرنمائی نہیں کر سکتی۔ یوں اس سے برضا و رغبت سجدہ کرتا ہے تو کافر کو مجبوراً کرنا پڑتا ہے، کیونکہ خدا کے قانون پر فطرت سے ہٹنا اس کی مقدرت سے باہر ہے۔

^{۱۷} سایوں کے سجدہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اشیاء کے سایوں کا صبح و شام مغرب اور مشرق کی طرف گہنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ سب چیزیں کسی کے امر کی مطیع اور کسی کے قانون سے سحر ہیں۔

^{۱۸} واضح رہے کہ وہ لوگ خود اس بات کے قائل تھے کہ زمین و آسمان کا رب اللہ ہے۔ وہ اس سوال کا جواب انکار کی صورت میں نہیں دے سکتے تھے، کیونکہ یہ انکا خود ان کے اپنے عقیدے کے خلاف تھا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر وہ اقرار کی صورت میں بھی اس کا جواب دینے سے گھبراتے تھے، کیونکہ اس اقرار کے بعد تو جید کا ماننا لازم آجاتا تھا اور شرک کے لئے کوئی معقول بنیاد باقی نہیں رہتی تھی۔ اس لئے اپنے موقع کی کمزوری کو محسوس کر کے وہ اس سوال کے جواب میں چسپاں دھ جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ان سے پوچھو زمین و آسمان کا خالق کون ہے؟ فائزات کا رب کون ہے؟ تم کو رزق دینے والا کون ہے؟ یہ حکم دیتا ہے کہ تم خود کہو کہ اللہ۔ اور اس کے بعد یوں استہلال کرتا ہے کہ جب یہ سارے کام اللہ کے ہیں تو آخر یہ دوسرے کون ہیں جن کی تم بندگی کئے جا رہے ہو۔

تم نے اسے چھوڑ کر ایسے معبودوں کو اپنا کارساز ٹھہرایا ہے جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟
کہو، کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے؟ کیا روشنی اور تاریکیاں یکساں ہوتی ہیں؟ اور اگر ایسا نہیں تو کیا
ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا؟

۱۵۔ اندھے سے مراد وہ شخص ہے جس کے آگے کائنات میں ہر طرف اللہ کی وحدانیت کے آثار و شواہد پھیلے
ہوئے ہیں مگر وہ ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں دیکھ رہا ہے۔ اور آنکھوں والے سے مراد وہ ہے جس کے
لے کائنات کے ذرے ذرے اور پتے پتے میں معرفتِ کردگار کے دفتر کھلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کا
مطلب یہ ہے کہ عقل کے اندھوں! اگر تمہیں کچھ نہیں سوچتا تو احسنہ چشم بینا رکھنے والا اپنی آنکھیں کیسے پھوڑ لے؟
جو شخص حقیقت کو آشکار دیکھ رہا ہے اس کے لئے کس طرح ممکن ہے کہ بے بصیرت لوگوں کی طرح ٹھوکرین
کھاتا پھرے؟

۱۶۔ روشنی سے مراد علم حق کی وہ روشنی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو حاصل تھی۔ اور تاریکیوں
سے مراد جہالت کی وہ تاریکیاں ہیں جن میں منکرین جھٹک رہے تھے۔ سوال کا مطلب یہ ہے کہ جس کو روشنی
مل چکی ہے وہ کس طرح اپنی شمع بجھا کر اندھیروں میں ٹھوکرین کھانا قبول کر سکتا ہے؟ تم اگر نور کے قدر شناس
نہیں ہو تو زسہی۔ لیکن جس نے اسے پالیا ہے، جو نور و خلعت کے فرستق کو جان چکا ہے، جو دن کے اجاے
میں راہِ راست کو صاف دیکھ رہا ہے، وہ روشنی کو چھوڑ کر تاریکیوں میں بھٹکتے پھر۔ نے کے لیے کیسے
آباد ہو سکتا ہے؟

۱۷۔ اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں کچھ چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہوں اور کچھ دوسروں نے، اور یہ معلوم کرنا
مشکل ہو کہ خدا کا تخلیقی کام کونسا ہے اور دوسروں کا کونسا، تب تو واقعی شرک کے لئے کوئی معقول بنیاد ہو سکتی تھی۔
لیکن جب یہ مشرکین خود مانتے ہیں کہ ان کے معبودوں میں سے کسی نے ایک تنکا اور ایک بال تک پیدا نہیں کیا ہے، اور
جب انہیں خود تسلیم ہے کہ خلق میں ان جعلی خداؤں کا ذرہ برابر بھی کوئی حصہ نہیں ہے، تو پھر یہ خالق کے اختیارات اور اس
کے حقوق میں آخر کس بنا پر شرک ٹھہرائے گئے؟

— کہو، ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب!

اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے طرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا، پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آگئے۔ اور ایسے ہی جھاگ ان چیزوں پر بھی اٹھتے ہیں جنہیں زیور اور برتن وغیرہ بنانے کے لیے لوگ لگھلایا کرتے ہیں۔ اسی مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے۔ جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہی اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھیر جاتی ہے۔ اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے۔

۱۔ اصل میں لفظ قہار استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ”وہ ہستی جو اپنے زور سے سب پر حکم چلائے اور سب کو مغلوب کر کے رکھے“ یہ بات کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، ”مشرکین کی اپنی تسلیم کردہ حقیقت ہے جس سے انہیں کبھی انکار نہ تھا۔ اور یہ بات کہ وہ یکتا اور قہار ہے“ اس تسلیم شدہ حقیقت کا لازمی نتیجہ ہے جس سے انکار کرنا، پہلی حقیقت کو مان لینے کے بعد کسی صاحب عقل کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو ہر چیز کا خالق ہے، وہ لامحالہ یکتا و یگانہ ہے، کیونکہ دوسری جو چیز بھی ہے وہ اسی کی مخلوق ہے، پھر بجالیہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی مخلوق اپنے خالق کی ذات، یا صفات، یا اختیارات، یا حقوق میں اس کی خرابی ہو اسی طرح وہ لامحالہ قہار بھی ہے، کیونکہ مخلوق کا اپنے خالق سے مغلوب ہو کر رہنا جین تصورِ مخلوقیت ہی میں شامل ہے۔ غلبہ کامل اگر خالق کو حاصل نہ ہو تو وہ خلق ہی کیسے کر سکتا ہے پس جو شخص اللہ کو خالق مانتا ہو اس کے لئے ان دو خالص حقیقی و منطقی نتیجوں سے انکار کرنا ممکن نہیں رہتا، اور اس کے بعد یہ بات ہر سر غیر معقولی ٹھیرتی ہے کہ کوئی شخص خالق کو جھوٹا کر مخلوق کی بنیاد کرے اور غالب کو جھوٹ کر مغلوب کو مشکل کشائی کے لیے پکارے۔

۲۔ اس تخیل میں اس علم کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے سے نازل کیا گیا تھا، آسمانی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے، اور ایسا لانے والے سلیم الغفرت لوگوں کو ان نالیوں کے مانند ٹھیرایا گیا ہے جو اپنے اپنے طرف کے مطابق بارانِ رحمت سے بھر پور ہر کرداروں دعاں ہو جاتے ہیں، اور اس جگہ مذکور دشواری کو جو تحریک اسلامی کے خلاف منکرین و مخالفین نے برپا کر رکھی تھی اس جھاگ اور اس خس و خاشاک سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہمیشہ سیلاب کے اٹھتے ہی سطح پر اپنی اچھل کود دکھانی شروع کر دیتا ہے۔

۳۔ یعنی جیسی جیسی کام کے لئے گرم کی جاتی ہے وہ تو ہے خالص دعوات کو تباہ کرنا، مگر یہ کام جب بھی کیا جاتا ہے میل کمپن ابھر کر ضرور آتا ہے اور اس شان سے خیر کھاتا ہے کہ کچھ دیر تک سطح پر بس وہی وہ نظر آتا ہے۔

جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی ان کے لئے جھلائی ہے، اور جنہوں نے اسے قبول نہ کیا وہ اگر زمین کی ساری دولت کے بھی مالک ہوں اور اتنی ہی اور بھی فراہم کر لیں تو وہ خدا کی پکڑ سے بچنے کے لئے اس سب کو فدیہ میں دے ڈالنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے بری طرح حساب لیا جائیگا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، بہت ہی برا ٹھکانا۔

بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص جو تمہارے رب کی اس کتاب کو جو اس نے تم پر نازل کی ہے حق جانتا ہو،

اس بری حساب فہمی یا سخت حساب فہمی سے مطلب یہ ہے کہ آدمی کی کسی خطا اور کسی لغزش کو معاف نہ کیا جائے، کوئی قصور جو اس نے کیا ہو مواخذہ کے بغیر نہ چھوڑا جائے۔

قرآن میں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کا صحابہ اپنے الٰہ بندوں سے کہے گا جو اس کے باغی بن کر دنیا میں رہے ہیں۔ بخلاف اس کے جنہوں نے اپنے خدا سے وفاداری کی ہے اور اس کے مطیع فرمان بن کر رہے ہیں الٰہ سے حساب سیر، یعنی ہلکا حساب لیا جائے گا، ان کی خدمات کے مقابلے میں ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے گا اور ان کے مجموعی طرز عمل کی سبب ان کی کوٹھناری کران کی بہت سی کوتاہیوں سے مروت نظر کر لیا جائے گا اس کی نریہ توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عائشہ سے ابو داؤد میں مروی ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے زیادہ خوفناک آیت وہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ مَنْ تَعَلَّ سُوْرَةَ بَیْزِيْہِ۔ جو شخص کوئی برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔ اس پر حضور نے فرمایا عائشہ! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ خدا کے مطیع فرمان بندوں کو دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی کاٹا بھی اس کو چبھتا ہے تو اللہ اسے اس کے کسی نہ کسی قصور کی سزا قرار دے کر وہ قصور اس کے حساب سے ساقط کر دیتا ہے؟ آخرت میں تو جبر سے بھی محاسب ہو گا وہ سزا پائے گا کہ رہے گا حضرت عائشہ نے عرض کیا پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے کہ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ الْكِتٰبَہٗ بِہِیْزِہٖ فَسُوْرَہٗ یَسٰسُبُ حَسَبًا یَّسِیْرًا؟ جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے ہلکا۔ اب لیا جائے گا حضور نے جواب دیا، اس سے مراد ہے پیشی (یعنی اس کی بھلائیوں کے ساتھ اس کی برائیوں) اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیں (مگر جس سے باز پرس ہوئی وہ تو بس سمجھ لو کہ مارا گیا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اپنے وفادار اور فرمانبردار ملازم کی چھوٹی خطاؤں پر کبھی سخت گرفت نہیں کرتا بلکہ اس کے بڑے بڑے قصوروں کو بھی اس کی خدمات کے پیش نظر معاف کر دیتا ہے لیکن اگر کسی ملازم کی غدار کی و خیانت ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی نہ دست قابل لحاظ نہیں رہتی اور اس کے چھوٹے بڑے سب قصور شمار میں آ جاتے ہیں۔

اور وہ شخص جو اس حقیقت کی طرف سے اندھا ہے، دونوں یکساں ہو جائیں گے نصیحت تو دانشمند لوگ ہی قبول کیا کرتے ہیں۔ اور ان کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، اسے مضبوط بازو بننے کے بعد توڑ نہیں ڈالتے۔ ان کی روش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روباہ کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں برقرار رکھتے ہیں، اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لئے صبر سے کام لیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، ہمارے دیئے ہوئے رزق سے

۱۵ یعنی نہ دنیا میں ان دونوں کا تو یہ یکساں ہو سکتا ہے اور نہ آخرت میں دونوں کا انجام یکساں۔

۱۶ یعنی خدا کی بھیجی ہوئی اس تعلیم اور خدا کے رسول کی اس دعوت کو جو لوگ قبول کیا کرتے ہیں وہ عقل کے اند سے نہیں بلکہ ہوش و گوش رکھنے والے بیدار مغز لوگ ہی ہوتے ہیں، اور پھر دنیا میں ان کی سیرت و کردار کا وہ رنگ اور آخرت میں ان کا وہ انجام ہوتا ہے جو بعد کی آیتوں میں بیان ہوا ہے۔

۱۷ اس سے مراد وہ انہی عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں تمام انسانوں سے لیا تھا کہ وہ صرف اسی کی بندگی کریں گے (تشریح کے لئے سورہ اعراف کو ص ۷۲ کے حواشی ملاحظہ ہوں) یہ عہد ہر انسان سے لیا گیا ہے، ہر ایک کی فطرت میں مضمر ہے، اور اسی وقت پختہ ہو جاتا ہے جب آدمی اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے وجود میں آتا اور اس کی ربوبیت سے پرورش پاتا ہے۔ خدا کے رزق سے پلنا، اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے کام لینا اور اس کی بخشی ہوئی قوتوں کو استعمال کرنا آپ سے آپ انسان کو خدا کے ساتھ ایک ميثاقِ بندگی میں باندھ دیتا ہے جسے توڑنے کی جرأت کوئی ذی شعور اور نمک حلال آدمی نہیں کر سکتا آلا یہ کہ نادانستہ کبھی اچھا نا اس سے کوئی نغزش ہو جائے۔

۱۸ یعنی وہ تمام معاشرتی اور تمدنی روباہ جن کی درستی پر انسان کی اجتماعی زندگی کی صلاح و فلاح منحصر ہے۔

۱۹ یعنی اپنی خواہشات کو قابو میں رکھتے ہیں، اپنے جذبات اور میلانات کو حدود کا پابند بناتے ہیں، خدا کی نافرمانی میں جو جن فائدوں اور لذتوں کا لالچ نظر آتا ہے انہیں دیکھ کر سہل نہیں جاتے، اور خدا کی فرمانبرداری میں جن جن نقصانات اور تکلیفوں کا اندیشہ ہوتا ہے انہیں برداشت کر لے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے موسیٰ کی پوری زندگی درحقیقت صبر کی زندگی ہے، کیونکہ وہ رضائے الہی کی امید پر اور آخرت کے پائدار نتائج کی توقع پر اس دنیا میں مضبوط نفس سے کام لیتا ہے اور گناہ کی جانب نفس کے ہر میلان کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔

علائد اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں، اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔ آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لئے ہے یعنی ایسے باغ جو ان کی ابدی قیام گاہ ہونگے۔ وہ خود بھی ان میں داخل ہوں گے اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو جو صالح ہیں وہ بھی ان کے ساتھ وہاں جائیں گے۔ ملائکہ ہر طرف سے ان کے استقبال کے لئے آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ ”تم پر سلامتی ہے، تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اس کی بدولت آج تم اس

۱۵ یعنی وہ بدی کے مقابلے میں بڑی نہیں بلکہ نیکی کرتے ہیں۔ وہ شر کا مقابلہ شر سے نہیں بلکہ خیر سے کرتے ہیں۔ کوئی ان پر خواہ کتنا ہی ظلم کرے، وہ جواب میں ظلم نہیں بلکہ انصاف ہی کرتے ہیں۔ کوئی ان کے خلاف خواہ کتنا ہی جھوٹ بولے، وہ جواب میں سچ ہی بولتے ہیں۔ کوئی ان سے خواہ کتنی ہی خیانت کرے، وہ جواب میں دیانت ہی سے کام لیتے ہیں۔ اسی معنی میں ہے وہ حدیث جس میں حضور نے فرمایا ہے:

لَا تَكُونُوا مَعَهُ تَقُولُونَ اِنْ احْسَنَ النَّاسُ اِحْسَانًا

وَاِنْ ظَلَمُوا ظَلَمْنَا۔ وَلَكِنْ وَطَنُوا اَنْفُسَكُمْ ۚ اِنْ

احْسَنَ النَّاسُ اِنْ يَحْسِنُوا وَاِنْ اَوْفَلَا تَظْلَمُوا۔

تم اپنے نفس کو ایک قاعدے کا پابند بناؤ۔ اگر لوگ نیکی کریں تو تم نیکی کرو۔ اور اگر لوگ تم سے بدسلوکی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔

اسی معنی میں ہے وہ حدیث جس میں حضور نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے نوابوں کا حکم دیا ہے۔ اور ان میں سے چار باتیں آپ نے فرمائیں کہ میں خواہ کسی سے خوش ہوں یا ناراض ہوں ہر حالت میں انصاف کی بات کہوں، جو میرا حق مارے میں اس کا حق ادا کروں، جو مجھے محروم کرے میں اس کو عطا کروں، اور جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔ اور اسی معنی میں ہے وہ حدیث جس میں حضور نے فرمایا کہ لا تَحْنَنَّ مِنْ خَلْقِكَ ”جو تجھ سے خیانت کرے تو اس سے خیانت نہ کر“ اور اسی معنی میں ہے حضرت عمر کا یہ قول کہ ”جو شخص تیرے ساتھ معاملہ کرنے میں خدا سے نہیں ڈرتا اس کو سزا دینے کی بہترین صورت یہ ہے کہ تو اس کے ساتھ خدا سے ڈرتے ہوئے معاملہ کر“

۱۶ اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ ملائکہ ہر طرف سے آکر ان کو سلام کریں گے، بلکہ یہ بھی ہے کہ ملائکہ ان کو اس بات کی خوشخبری دیں گے کہ اب تم اچھی جگہ لگے ہو جہاں تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ اب یہاں تم ہر آفت سے، ہر تکلیف سے، ہر مشقت سے، اور ہر خطرے اور اندیشے سے محفوظ ہو۔

کے مستحق ہوتے ہو۔۔۔۔۔ دیکھو کیسا اچھا ہے یہ آخرت کا گھر! رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں، جو ان رابطوں کو کاٹتے ہیں جنہیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، وہ لطف کے مستحق ہیں اور ان کے لئے آخرت میں بہت برا ٹھکانا ہے۔

اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تار رزق دیتا ہے۔ لوگ دنیوی زندگی پر ریختے ہیں، مگر دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

یہ لوگ جنہوں نے (رسالتِ محمدی کو ماننے سے) انکار کر دیا ہے کہتے ہیں ”اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری“۔ کہو، اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اپنی طرف

۱۵ اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ عام جہلاء کی طرح کفارِ مکہ بھی عقیدہ و عمل کے حسن و قبح کو دیکھنے کے بجائے امیری اور غریبی کے لحاظ سے انسانوں کی قدر و قیمت کا حساب لگاتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ جسے دنیا میں خوب سامانِ عیش مل رہا ہے وہ خدا کا محبوب ہے؛ خواہ وہ کیسا ہی گمراہ و بدکار ہو، اور جو تنگ حال ہے وہ خدا کا مغضوب ہے خواہ وہ کیسا ہی نیک ہو۔ اسی بنیاد پر وہ قریش کے سرداروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غریب ساتھیوں پر فضیلت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھ لو، اللہ کس کے ساتھ ہے۔ اس پر متنبہ فرمایا جا رہا ہے کہ رزق کی کمی و بیشی کا معاملہ اللہ کے ایک دوسرے ہی قانون سے تعلق رکھتا ہے جس میں بے شمار دوسری مصیبتوں کے لحاظ سے کسی کو زیادہ دیا جاتا ہے اور کسی کو کم۔ یہ کوئی معیار نہیں ہے جس کے لحاظ سے انسانوں کے اخلاقی و معنوی حسن و قبح کا فیصلہ کیا جائے۔ انسانوں کے درمیان فرقِ مراتب کی اصل بنیاد اور ان کی سعادت و شقاوت کی اصل کسوٹی یہ ہے کہ کس نے فکر و عمل کی صحیح راہ اختیار کی اور کس نے غلط، کس نے عہدہ و صاف کا اکتساب کیا اور کس نے برے اوصاف کو

۱۶ پہلے رکوع کے آخر میں اس سوال کا جواب دیا جا چکا ہے اسے پیش نظر رکھا جائے۔ اب دوبارہ ان کے اسی اعتراض کو نقل کر کے ایک دوسرے طریقے سے اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

آنے کا راستہ اُسے دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ ایسے ہی لوگ ہیں وہ جنہوں نے (اس نبی کی دعوت کو) مان لیا ہے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔ پھر جن لوگوں نے دعوتِ حق کو مانا اور نیک عمل کیے وہ خوش نصیب ہیں اور ان کے لئے اچھا انجام ہے۔ اے محمد! اسی شان سے ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ایک ایسی قوم میں جس سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں، تاکہ تم ان لوگوں کو وہ پیغام بناؤ جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے، اس حال میں کہ یہ اپنے نہایت مہربان خدا کے کافر بنے ہوئے ہیں۔ ان سے کہو کہ وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اسی پر میں نے بھروسہ

۱۰ یعنی جو اللہ کی طرف خود رجوع نہیں کرتا اور اس سے روگردانی اختیار کرتا ہے اسے زبردستی راہِ راست دکھانے کا طریقہ اللہ کے ہاں رائج نہیں ہے۔ وہ ایسے شخص کو انہی راستوں میں بھٹکنے کی توفیق دے دیتا ہے جن میں وہ خود بھٹکنا چاہتا ہے۔ وہی سارے اسباب جو کسی ہدایت طلب انسان کے لیے سببِ ہدایت بنتے ہیں، ایک منالیت طلب انسان کے لیے سببِ منالیت بنا دیے جاتے ہیں۔ شمعِ روشن بھی اس کے سامنے آتی ہے تو راستہ دکھانے کے بجائے اس کی آنکھیں خیرہ ہی کرنے کا کام دیتی ہے یہی مطلب ہے اللہ کے کسی شخص کو گمراہ کرنے کا۔

نشانی کے مطالبے کا یہ جواب اپنی بلاغت میں بے نظیر ہے۔ وہ کہتے تھے کہ کوئی نشانی دکھاؤ تو میں تمہاری صداقت کا یقین آئے۔ جواب میں کہا گیا کہ نادانوں! تمہیں راہِ راست منٹنے کا اصل سبب نشانیوں کا فقدان نہیں ہے بلکہ تمہاری اپنی ہدایت طلبی کا فقدان ہے۔ نشانیاں تو ہر طرف بے حد و حساب پھیلی ہوئی ہیں، مگر ان میں سے کوئی بھی تمہارے لیے نشانِ راہ نہیں بنتی، کیونکہ تم خدا کے راستے پر جانے کے خواہشمند ہی نہیں ہو۔ اب اگر کوئی اور نشانی آئے تو وہ تمہارے لئے کیسے مفید ہو سکتی ہے۔ تم شکایت کرتے ہو کہ کوئی نشانی نہیں دکھائی گئی۔ مگر جو خدا کی راہ کے طالب ہیں انہیں نشانیاں نظر آ رہی ہیں اور وہ انہیں دیکھ دیکھ کر راہِ راست پا رہے ہیں۔

۱۱ یعنی کسی ایسی نشانی کے بغیر جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔

۱۲ یعنی اس کی بندگی سے مذموم طے ہوئے ہیں، اس کی صفات اور اختیارات اور حقوق میں دوسروں کو اس کا شریک بنا رہے ہیں، اور اس کی نعمتوں کے شکر بئے دوسروں کو ادا کر رہے ہیں۔

کیلئے روپی میرا مجادہ دیا ہے۔

اور کیا ہو جاتا اگر کوئی ایسا قرآن اتار دیا جاتا جس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے یا زمین شق ہو جاتی یا مرنے والے قیامت سے نکل کر بدلنے لگتے؟ (اس طرح کی نشانیاں دکھا دینا کچھ مشکل نہیں ہے) بلکہ سارا اختیار ہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر کیا اہل ایمان (ابھی تک کفار کی طلب کے جواب میں کسی نشانی کے ظہور کی اس نگاہ سے بیٹھے ہیں اور وہ یہ جان کر) مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟ جن لوگوں نے خدا کے ساتھ کفر کا رویہ

اس آیت کو سمجھنے کے لئے یہ بات پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ اس میں خطاب کفار سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے۔ مسلمان جب کفار کی طرف سے بار بار نشانی کا مطالبہ سنتے تھے تو ان کے دلوں میں بے چینی پیدا ہوتی تھی کہ کاش ان لوگوں کو کوئی ایسی نشانی دکھا دی جاتی جس سے یہ لوگ قائل ہو جاتے۔ پھر حرب وہ محسوس کرتے تھے کہ اس طرح کی کسی نشانی کے نہ آنے کی وجہ سے کفار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پھیلانے کا موقع مل رہا ہے تو ان کی یہ بے چینی اور بھگان زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ اس پر مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر قرآن کی کسی سورۃ کے ساتھ ایسی اور ایسی نشانیاں یکایک دکھا دی جاتیں تو کیا واقعی تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ایمان لائے؟ کیا تمہیں ان سے یہ خوش گمانی ہے کہ یہ قبول حق کے لئے بالکل تیار بیٹھے ہیں، صرف ایک نشانی کے ظہور کا منتظر رہے؟ جن لوگوں کو قرآن کی تعلیم میں، کائنات کے آثار میں، نبی کی پاکیزہ زندگی میں، صحابہ کرام کے انقلابی حیات میں نور حق نظر نہ آیا کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ پہاڑوں کے چلنے اور زمین کے پھٹنے اور مردوں کے قبروں سے نکل آنے میں کوئی رودشئی پائیں گے؟

یعنی نشانوں کے دکھانے کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دکھانے پر قادر نہیں ہے، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان طریقوں سے کام لینا اللہ کی مصلحت کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ عمل مقصود تو ہدایت ہے نہ کہ ایک نبی کی نبوت کو طوطا لٹا اور ہدایت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ لوگوں کی فکر و بصیرت کی اصلاح ہو۔

یعنی اگر سمجھ بوجھ کے بغیر محض ایک غیر شعوری ایمان مطلوب ہوتا تو اس کے لئے نشانیاں دکھانے کے تکلف کی کیا حاجت تھی۔ یہ کام تو اس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ اللہ سارے انسانوں کو دوسری ہی پیدا کر دیتا۔

اختیار کر رکھا ہے اُن پر ان کے کہ تو توں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہتی ہے یا ان کے گھر کے قریب کہیں نازلی ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ اُن پورا ہو، یقیناً اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے، مگر میں نے پیغمبر منکرین کو ڈھیل دی اور آخر کار ان کو پکڑ لیا، پھر دیکھ لو کہ میری سزا کیسی سخت تھی۔

پھر کیا وہ جو ایک ایک متنفس کی کمائی پر نظر رکھتا ہے (اس کے مقابلے میں یہ جسارتیں کی جا رہی ہیں؟) لوگوں نے اس کے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں۔ اسے بنی، ان سے کہو، (اگر واقعی وہ خدا کے اپنے بنائے ہوئے شریک ہیں تو) ذرا ان کے نام لو کہ وہ کون ہیں؟ یا تم اللہ کو ایک نئی بات کی خبر دے رہے ہو جسے وہ اپنی زمین میں نہیں جانتا؟ یا تم لوگ بس یونہی جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے دعوت حق کیلئے سے

یعنی جو ایک ایک شخص کے حال سے فرداً فرداً واقف ہے اور جس کی نگاہ سے نہ کسی نیک دنیا کی نیکی چھپی ہوئی ہے نہ کسی بد دنیا کی بدی۔ جسارتیں یہ کہ اس کے ہمسرا اور برادر مقابل تجویز کئے جا رہے ہیں، اس کی ذات اور صفات اور حقوق میں اس کی مخلوق کو شریک کیا جا رہا ہے، اور اس کی خدائی میں رہ کر لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم جو کچھ چاہیں کریں ہم سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔

یعنی اس کے شریک جو تم نے تجویز کر رکھے ہیں اُن کے معاملے میں تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارے پاس کوئی مستند اطلاع آئی ہو کہ اللہ نے فلاں فلاں ہستیوں کو اپنی صفات، یا اختیارات یا حقوق میں شریک قرار دیا ہے۔ اگر یہ صورت ہے تو ذرا براہ کرم ہمیں بھی بتاؤ کہ وہ کون کون اصحاب ہیں اور ان کے شریک خدا مقرر کئے جانے کی اطلاع آپ کو کس ذریعہ سے پہنچی ہے۔ دوسری ممکن صورت یہ ہے کہ اللہ کو خود خبر نہیں ہے کہ زمین میں کچھ حضرات اس کے شریک بن گئے ہیں اور اب آپ اس کو یہ اطلاع دینے چاہتے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو صفائی کے ساتھ اپنی اس پوزیشن کا اقرار کرو۔ پھر ہم بھی دیکھ لیں گے کہ دنیا میں کتنے ایسے احمق نکلتے ہیں جو تمہارا اس سراسر لغو مسلک کی پیروی بر قائم رہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو پھر قسری ہی صورت باقی رہ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ تم بغیر کسی سند اور بغیر کسی دلیل کے یہ کہہ رہے ہو کہ اللہ کا ارشاد شہیرا لیتے ہو، جس کا پتہ ہو تو اللہ فرمادے گا کہ یہ سچ ہے اور جس کے متعلق چلہتے ہو وہ دعویٰ کر دیتے ہو کہ فلاں علاقے کے سلطان فلاں صاحب ہیں اور فلاں کام فلاں حضرت کی تائید و مدد سے بر آتے ہیں۔

انکار کیا ہے ان کے لئے ان کی مکاریاں خوشنابندی گئی ہیں اور وہ راہِ راست سے روک دیئے گئے ہیں، پھر جس کو اللہ گمراہی میں پہنچ دے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی ہی میں عذاب ہے، اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے، کوئی ایسا نہیں جو انہیں خدا سے بچانے والا ہو۔ خدا ترس انسانوں کے لئے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اس کے پھل دائی ہیں اور اس کا سایہ لازوال۔ یہ انجام ہے متقی لوگوں کا۔ اور منکرین حق کا انجام یہ ہے کہ ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔

۱۵۔ اس شرک کو مکاری کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ دراصل جن اجرامِ فلکی یا فرشتوں یا ارواح یا بزرگ انسانوں کو خدائی صفات و اختیارات کا حامل قرار دیا گیا ہے، اور جن کو خدا کے مخصوص حقوق میں شریک بنایا گیا ہے، انہیں سے کسی نے بھی کسی نہ ان صفات و اختیارات کا دعویٰ کیا، نہ ان حقوق کا مطالبہ کیا، اور نہ لوگوں کو یہ تسلیم دی کہ تم ہمارے آگے پرستش کے مراسم ادا کرو، ہم تمہارے کام بنایا کریں گے۔ یہ تو چالاک انسانوں کا کام ہے کہ انہوں نے عوام پر اپنی خدائی کا سگ جمانے کے لئے اور ان کی کمائیوں میں حصہ بٹانے کے لئے کچھ بناؤ فی خدا تصنیف کیے، لوگوں کو ان کا معتقد بنایا اور اپنے آپ کو کسی نہ کسی طور پر ان کا نمائندہ ٹھہرا کر اپنا اتو سیدھا کرنا شروع کر دیا۔ دوسری وجہ شرک کو مکہ سے تعبیر کرنے کی یہ ہے کہ دراصل یہ ایک فریبِ نفس ہے اور ایک چور دروازہ ہے جس کے ذریعے سے انسان دنیا پرستی کے لئے اخلاقی بندشوں سے بچنے کے لئے اور غیر ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنے کے لئے راہِ فرار نکالتا ہے۔ تیسری وجہ جس کی بنا پر شرکین کے طرزِ عمل کو مکہ سے تعبیر کیا گیا ہے آگے آتی ہے۔

۱۶۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب انسان ایک چیز کے مقابلے میں دوسری چیز کو اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کو مطمئن کرنے کے لئے یہ تصور لوگوں کو اپنی راست روی کا یقین دلانے کے لئے اپنی اختیار کردہ چیز کو ہر طریقے سے استدلال کر کے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی رد کردہ چیز کے خلاف ہر طرح کی باتیں چھانٹنی شروع کر دیتا ہے اسی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ جب انہوں نے دعوتِ حق کو ماننے سے انکار کر دیا تو قانونِ فطرت کے مطابق ان کے لئے ان کی گمراہی اور اوجس۔ مگر اہی پر قائم رہنے کے لئے ان کی مکاری خوشنابندی گئی اور اسی فطری قانون کے مطابق یہ راہِ راست پر آگئے۔

اے نبی! جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ اس کتاب سے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، خوش ہیں اور مختلف گروہوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو نہیں مانتے۔ تم صاف کہہ دو کہ ”مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھیراؤں۔ لہذا میں اُسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔“ اسی ہدایت کے ساتھ ہم نے یہ فرمانِ عربی تم پر نازل کیا ہے! اب اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمہارے پاس آچکا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی تمہارا حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے تم کو بچا سکتا ہے۔

تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا۔ اور کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی خود لا دکھاتا۔ ہر دور کے لیے ایک کتاب ہے۔ اللہ جو

۱۵ یہ ایک خاص بات کا جواب ہے جو اُس وقت مخالفین کی طرف سے کہی جا رہی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ صاحبِ واقعی وہی تعلیم لے کر آئے ہیں جو پچھلے انبیاءِ رائے تھے، جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے، تو آخر کیا بات ہے کہ یہود و نصاریٰ، جو پچھلے انبیاء کے پیرو ہیں، آگے بڑھ کر ان کا استقبال نہیں کرتے۔ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ اس پر خوش ہیں اور بعض ناراض، مگر اے نبی، خواہ کوئی خوش ہو یا ناراض، تم صاف کہہ دو کہ مجھے تو خدا کی طرف سے یہ تعلیم دی گئی ہے اور میں بہر حال اسی کی پیروی کروں گا۔

۱۶ یہ ایک اور اعتراض کا جواب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا جاتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ اچھا نبی ہے جو بیوی اور بچے رکھتا ہے، چلا پیغمبروں کو بھی خواہشاتِ نفسانی سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

۱۷ یہ بھی ایک اعتراض کا جواب ہے۔ مخالفین کہتے تھے کہ موسیٰ یدر بیضا اور عیسا لائے تھے۔ مسیح اذھوں کو بنایا اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ صانع نے انٹنی کا نشان دکھایا تھا۔ تم کیا نشانی لے کر آئے ہو؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جس نبی نے جو چیز بھی دکھائی ہے اپنے اختیار اور اپنی طاقت سے نہیں دکھائی ہے۔ اللہ نے جس وقت جس کے ذریعے سے جو کچھ ظاہر کرنا مناسب سمجھا وہ ظہور میں آیا۔ اب اگر اللہ کی مصلحت ہوگی تو جو کچھ وہ چاہے گا دکھائے گا۔ پیغمبر خود کسی خدائی اختیار کا مدعی نہیں ہے کہ تم اس سے نشانی دکھانے کا مطالبہ کرتے ہو۔

کچھ چاہتا ہے مثلاً دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اُمّ الکتاب اسی کے پاس ہے۔

اور اسے نبی! جس برے انجام کی دھمکی ہم ان لوگوں کو دے رہے ہیں اس کا کوئی حقہ خواہ ہم تمہارے جیتے جی دکھا دیں یا اس کے ظہور میں آنے سے پہلے ہم تمہیں اٹھالیں، بہر حال تمہارا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم اس سرزمین پر چلے آ رہے ہیں اور اس کا دائرہ ہر طرف تنگ کرتے چلے جاتے ہیں؟ اللہ حکومت کر رہا ہے، کوئی اس کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے، اور

۱۵ یہ بھی مخالفین کے ایک اعتراض کا جواب ہے۔ وہ کہتے تھے کہ پہلے آئی ہوئی کتابیں جب موجود تھیں تو اس نئی کتاب کی کیا ضرورت تھی؟ تم کہتے ہو کہ ان میں تحریف ہو گئی ہے، اب وہ منسوخ ہیں اور اس نئی کتاب کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر خدا کی کتاب میں تحریف کیسے ہو سکتی ہے؟ خدا نے اس کی حفاظت کیوں نہ کی؟ اور کوئی خدائی کتاب منسوخ کیسے ہو سکتی ہے؟ تم کہتے ہو کہ یہ اسی خدا کی کتاب ہے جس نے توراۃ و انجیل نازل کی تھیں۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ تمہارا طریقہ توراۃ کے بعض احکام کے خلاف ہے؟ مثلاً بعض چیزیں جنہیں توراۃ والے حرام کہتے ہیں تم انہیں حلال سمجھ کر کھاتے ہو۔ ان اعتراضات کے جوابات بعد کی سورتوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ یہاں ان کا صرف ایک مختصر جامع جواب دے کر چھوڑ دیا گیا ہے۔

”امّ الکتاب“ کے معنی ہیں ”اصل کتاب“ یعنی وہ منبع و سرچشمہ جس سے تمام کتب آسمانی نکلی ہیں۔

۱۶ مطلب یہ ہے کہ تم اس فکر میں نہ پڑو کہ جن لوگوں نے تمہاری اس دعوت حق کو جھٹلایا ہے ان کا انجام کیا ہوتا ہے اور کب وہ ظہور میں آتا ہے۔ تمہارے سپرد حکام کیا گیا ہے اسے پوری یکسوئی کے ساتھ کیے چلے جاؤ اور فیصلہ ہم پر چھوڑ دو۔ یہاں بظاہر خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، مگر دراصل بات ان مخالفین کو سنائی مقصود ہے جو جلیغ کے انداز میں بار بار حضور سے کہتے تھے کہ ہماری جس شامت کی دھمکیاں تم ہمیں دیا کرتے ہو آخر وہ آ کیوں نہیں جاتی۔

۱۷ یعنی کیا تمہارے مخالفین کو نظر نہیں آ رہا ہے کہ اسلام کا آخر سرزمین عرب کے گوشے گوشے میں پھیلتا جا رہا ہے اور چاروں طرف سے ان پر حلقہ تنگ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ ان کی شامت کے آثار نہیں ہیں تو کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ”ہم اس سرزمین پر چلے آ رہے ہیں“ ایک نہایت لطیف انداز بیان ہے۔ چونکہ دعوت حق اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اللہ اس کے پیش کر نیوالوں کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے کسی سرزمین میں اس دعوت کے پہنچنے کو اللہ اس طرح تعبیر فرماتا ہے کہ ہم خود اس سرزمین میں آ رہے چلے آ رہے ہیں۔